



سکاتے زبانوں پہ کہ سکتے کہنا پہ
دوسرے زبان پہ کہ عکاس پہ خیال پہ
دنیا پہ ایک نہادر روزگار کہنا پہ
چپخونہ کہ تحریر
ایکے مشورہ کہ کہنا پہ وہ ایکے سر دہن پہ تھا
ایکے منکعبہ دار ...
ترجمہ © محمّد ظفر
دوسرے * دوسرے کہنا پہ

ہو سکتا ہے اس مرتبہ انعام نکل ہی آئے۔
تم خواہ مخواہ ہر مہینے رقم ضائع کرتی ہو، آئون نے ہلکی
سی برہی کا انکار کیا۔ پہلے تمہارا کوئی انعام نکلا ہے، جواب
نکلے گا۔
”تم ذرا نمبر تو دیکھو،“ ماشا نے اُداس سے بے میں کہا۔
”کیا خبر اس بار میرا ہی ٹکٹ قرعے میں نکلا ہو؟“
”نمبر بتاؤ،“ آئون ہنس دیا۔
”سیریز نمبر نو چار نو نو،“ اور ٹکٹ نمبر ہے چھتیس۔ ماشا
برتن پیٹ کے باورچی خانے میں چلی گئی۔ آئون کو انعام وغیرہ
سے کوئی دل چسپی نہیں تھی نہ اُسے لالٹریوں وغیرہ پر یقین تھا۔
مطلب کی تمام خبریں پڑھ لینے کے بعد کوئی خبر اُس کے پڑھنے

اُس کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ اُس کی ماہانہ آمدنی
ایک سو روپے تھی اور قریب قریب اتنی ہی رقم کے اخراجات
تھے۔ بہر حال وہ ایک مطمئن اور مسرور زندگی گزار رہا تھا۔
رات کے کھانے سے فارغ ہو کے اُس نے اخبار اٹھایا
اور کرسی کی پشت سے جگ کے سرسری ورق گردانی کرنے لگا۔
اُس کی بیوی ماشا کھانے کے برتن سینے لگی: ”اوہ آئون! آپکا
ٹکٹ کھریدا گیا۔“ میں تو بھول ہی گئی تھی۔
”کیا بھول گئی تھیں؟“ آئون بیوی کا چہرہ ٹوٹنے لگا، خیریت؟
”میں نے..... لالٹری کا ایک ٹکٹ خریدا تھا۔“ ماشا
کے پاس پر غل مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آج اُس کی قرواندازی
نہ بچے اخبار دیکھنا یاد ہی نہیں رہا۔ ذرا لالٹری کا نتیجہ دیکھنا

جنوبی روس، بحیرہ آزوف کے شہر تاکانروگ، ۱۸ جنوری ۱۸۶۰ء عظیم ہرولتاری انقلاب سے، ۵ سال پہلے غریب زدہ گھرانے کے پانچ بچوں میں تیسرے نمبر پر چیخوف کی پیدائش۔ دادا گھیت مز دور، باپ آشتیائے خورد و نوش فروش۔ ماں نہایت مہربان، باپ سخت گنہگار اور کثمت مذہبی۔ اولاد پر کاتھ آٹھانا معمول۔ دکان میں پاتھ بٹانے اور چرچ میں مقدس نغمات سرائی کے لیے باپ کا اصرار اور بادل ناخواستہ بیٹے کی آمادگی۔ یونانی طلبہ کے اسکول میں ابتدائی تعلیم کے بعد مقامی ہائی اسکول (۱۸۶۹ء) میں داخلہ، غم کے سولہویں اور اسکولی تعلیم کے آخری تین سال پہلے ماں باپ سے جدائی اور تنہائی۔ کاروباری نقصان اور دیوالیہا ہو جانے پر ایمان دار اور غیر تجارتی وضع کے باپ کا گھر بار سمیٹ کے ماسکو منتقل بلکہ قرار اور تنہا چیخوف کا تعلیمی صرف اور زندگی کشی کا عزم۔

ابتداء تعلیم کے اس اسکول میں پیش تر نصاب یونانی اور اطالوی کلاسیک پر مشتمل تھا۔ چیخوف کو ان مضامین سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ ہر چند اس کا ادبی ذوق اسکول کے سارے طلبہ سے پیش تھا۔ تعلیمی دورانیہ میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ پیش دیا۔ نصاب سے زیادہ دوسرے مطالعے کا جنون تھا۔ شہر کی لائبریری میں کثرت سے نشست اور تھیں بیٹھی محبوب مشغلہ تھا۔ میوشن کر کے کسی مذہبی طور تعلیمی سلسلہ برقرار رکھا اور ۱۹ سال کی عمر میں گریجویشن کر لیا۔ اپنے آبائی شہر سے چیخوف کو بیڑی گھٹن محسوس ہوتی تھی، حالانکہ وہ روس کے دوسرے مساجلی شہروں سے مختلف، زیادہ سرگرم اور متحرک شہر تھا۔ وہاں کئی قومیتیں آباد تھیں اور تہذیبی رنگارنگی بدرجہ تمام تھی۔ اسکول کے زمانے ہی سے تخلیقی کونپلین پھوٹنے لگی تھیں۔ مزاحیہ خاکے، استادوں اور پیادریوں کی نقل پر مبنی سرساری ڈرامے لکھنے شروع کر دیے تھے۔ اب ان میں سے کچھ بھی محفوظ نہیں مگر یہی خلم اور ناتمام تخریریں مستقبل کے ایک یادگار زمانہ ادیب کی بنیاد ثابت ہوئیں۔ ۱۸۷۹ء آئیس سال کی عمر میں چیخوف نے ایک قلمش مگر خوش باش نوجوان کی حیثیت سے ماسکو کا رخ کیا۔ گھر کی بے ترتیبی کا وہی حال تھا تاہم آگے تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا اور ۱۸۸۳ء میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر لی اس عرصے میں خاندان کی کفالت بھی زیادہ تر چیخوف کے ذمے رہی۔ باپ ایک معمولی ملازم تھا دو بیٹے بھائی ایک صحافی، ایک مصور، دونوں مسنت الست، خاندان کی مالی اعانت سے عاری تھے۔ طبی تعلیم کے دوران چیخوف کی سماجی سرگرمیاں شد و مد سے جاری رہیں۔ طب سے آمدنی نا کافی تھی۔ گھر چلانے کے لیے فیری لائنس صحافت اور ادبی کام کی مشقت از کس لازم تھی، لکھنا محض شوق نہیں اب ایک ضرورت بھی تھا۔

چیخوف کی ابتدائی تحریریں آئن تو ماسکا چیخوف کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔ گویہ قلمی نام ممتوں میں مقبول ہو چکا تھا لیکن ۱۸۸۸ء میں اس نے اپنے اصل نام سے لکنا شروع کیا۔ فرضی نام سے وہ اتنا کچھ لکھ چکا تھا کہ بعد کے ناقابل فزائوش کام سے کہیں زیادہ وزن تھا، اور وہی زہر سیلا مسج کہ وزن سے مراد وقت نہیں ہے۔ تخلیق کا وزن کیت سے نہیں، کیفیت سے عبارت ہے۔ چیخوف کے ہزار لفظوں پر مشتمل مزاحیہ خاکوں نے باقاعدہ ایک ادبی صنف

کی نر ہی تو وہ لاٹری کے نتیجے کا منفر کھول کے بیٹھ گیا۔ سیریز نمبر نو چار نو نو، انعامی نمبروں پر نگاہ پڑتے ہی آکون کو برقی جھٹکا سالگا۔ ماشا نے یہی نمبر بتلایا تھا؟ آکون کا دل دھڑکنے لگا ایک بار پھر اس نے انعامی نمبر غور سے پڑھا۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ خود کو یقین دلانے کے لیے اخبار پر جھک کے دہرا ہر گیا۔ اخبار میں واقعی یہ نمبر چھپا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اسے یقین کرنا پڑا کہ اس کی آنکھیں اسے فریب نہیں دے رہی ہیں۔ نمبر کے ساتھ ہی ایک لاکھ روپل کے انعام کی خوش خبری تھی۔ آکون نے ایک لاکھ کے ہندسوں سے نظریہ ہٹانے کے لیے خود کو سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم پتھر کا ہو گیا ہے اور کسی بھی لمحے چٹخ کے درمیان سے ٹوٹ جائے گا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کے سراپر اٹھایا اور

بیکایک پھر اخبار پر جھک گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کا معدہ سکر کے ایک گیند بن جا ہو اور پھیٹنے سے بے پناہ ہلکتے ہوئے ہوں اور اگر اس نے یہ خوش خبری پل بھر بھی ماشا سے چھپا تو وہ پھٹ پڑے گا۔ ماشا وہ خوشی سے لڑتی آواز میں چننا پڑا نمبر نو چار نو نو، اخبار میں موجود ہے۔

ماشاقریب ہی کھڑی میز پر پوش سیٹ ہی تھی۔ آکون کی بدلی آواز پر وہ چونک پڑی۔ میز پر پوش اس کے ہاتھ سے چٹک اور فرش گندہ ہو گیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو کر رہ گیا پھر وہ نسیل بے یقینی سے آنکھیں پھیلاتی ہوئی آکون کو گھوٹنے لگی جیسے اس نے اس سے مذاق کیا ہو۔ کیا تم بخیر ہو؟ آکون کو مسلسل اندازہ ٹھکا دیکھ کے ماشا دوسری بار چونکی۔ پھر آکون کی طرح اس پر بھی شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مذاق تو نہیں کر رہے آکون

کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں مشہور ناول نگار د متری گریکورو وچ نے چیخوف کے کوئی نسل کے اول درجے کا فن کار قرار دیا تھا۔ اسی مدح سرا کے ذریعے چیخوف کی ملاقات الیکسی مسورین سے ہوئی۔ مسورین نے چیخوف کی کہانیوں کے معاوضے میں اضافہ کر دیا۔ قلم دوست نیکوکار مسورین کا یہ اقدام چیخوف کے لیے کسی قدر فرائد و خطرات کا باعث ہونا چاہیے تھا۔ جواب بھی یہی۔ چیخوف نے اور ایک سوئی اور تن دہی سے لکھا۔ ۱۸۸۶ء میں کہانیوں کا مجموعہ ٹوٹا اسٹوریٹز اور ۱۸۸۸ء میں دوسرا مجموعہ ان دی ٹوائس لائٹ شائف ہوا۔ اس پر چیخوف کو پیشکن انعام سے مشرف کیا گیا۔ ۱۸۸۸ء میں اس کے ایک اور ادبی کارنامے نے ہم عصروں کو خاصا متلاطم کیا۔ یہ نارد رن سے والد میں چھپنے والی اسٹینپی نامی ایک تحریر تھی۔ چیخوف نے اپنے بچپن کے سفر دیو کرین کی سرگزشت تمام تراجم امن اور مشاق سے بیان کی تھی۔ احساس کے ساتھ مشاقی ہوتو وہ آتش ہے۔ سنجیدہ ادب کا تجربہ کرتے کرتے چپکے چپکے چیخوف کے مزاحیہ ادب پر سنجیدہ ادب کا غلبہ ہو چکا تھا۔

۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۰ء کا عرصہ چیخوف کے لیے بڑی آزمائش کا تھا۔ فی بی ہو جانے کے انکشاف دوستوں کی ناقدی، ناقدوں کی سنگ دلی اور بے رحمی نے اسے بہت کھلکان کیا۔ ناقدوں کا خیال تھا کہ چیخوف اپنے دور کے سیاسی اخلاق اور سماجی مسائل کے بارے میں دو ٹوک رویت کے اظہار سے قاصر ہے۔ چیخوف، لیونٹالسٹائی کے اخلاقی فلسفے سے متاثر تھا لیکن ۱۸۸۰ء کی دہائی میں اس وقت کی روشن خیالی یا قدامت پسندی کی تقسیم میں اس نے کسی ایک کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں شرقی پسند ہوں نہ قدامت پسند، ارتقا پسند ہوں نہ پادری اور نہ ہی دیکلے سے بے گانہ۔ میری نظر میں سب سے مقدس انسانی جنم صحت، ذہانت، صلاحیت، خواہش، محبت اور آزادی ہے، یعنی تشدد سے آزادی، جھوٹ سے آزادی، چاہے وہ کسی شکل میں ہو۔

۱۸۹۰ء میں کچھ آفاق ہو گیا تھا۔ اسی سال چیخوف نے دس ہزار منسل کا سفر کیا۔ اس وقت ریل نہیں تھی۔ مسابریا کے اس پار روس کے دوسرے کنارے پر واقع جزیرہ ساخالن (روسی کالا پانی) میں اس نے قیدیوں کی زندگی کی سائنسی انداز سے تحقیق کی۔ بعد میں یہ تحقیق کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ ساخالن کے تجربے نے چیخوف پر گہرے روحانی نقش مرتب کیے تھے۔ اس کے بعد کے کام میں ساخالن کے عبرت انگیز مشاہدے کے اشارت نمایاں تھیں۔ ساخالن سے واپسی پر وہ ماسکو کے قریب ایک دیہی بستی میں آباد ہو گیا۔ دیہی زندگی اسے بکڑی مرغوب تھی۔ یہاں اس نے انسانی ہم دردی کے عملی کاموں میں خود کو وقف کر دیا تھا۔ اس پاس کے بے شمار دیہات کی طبی امداد، محظوظ کردہ علاقوں میں رفاہی قلاچی کام، پیسے کی روک تھام، مقامی مدرسوں کی تعمیر کے ساتھ نئے لکھنے والوں کے مسودوں کی اصلاح۔ مکرخی نے پیسے میں جہاں مضبوط کر لیا تھا۔ معتدل آب و ہوا کے لیے یا لٹا منتقل ہونا پڑا۔ اس آزار کے باوجود چیخوف کی دماغی صحت شباب پر تھی۔ قلم پر خوب آب و تاب تھے اور یہ کوئی طلسم، کوئی افسوں کا ہونک دینے کے لیے بے تاب تھا۔ یا لٹا کی فرحت آمیز ہوا میں بھی مدد اواز نہ کر سکیں۔ دماغ تو مجتہد کوئی مظہر نہیں۔ سارے جسم کے ربط و

”اوه آتون! ماشا نے سرگوشی کی۔ وہ اپنی خوشی پر قابو پانے میں ناکام رہی۔ اس کا رواں رداں جھوم اٹھا۔ وہ جیسے کہے میں ناہتی اور چکراتی ہوئی گیت گانے لگی۔ میرا انعام بکل آیا۔ میرا انعام بکل آیا۔ ایک لاکھ روپل کا انعام بکل آیا۔“

”انعام صرف تمہارا نہیں ہے۔ آتون کے جذبات گویا ماشا کے الفاظ نے جھنجھوڑ دیے۔ ایک ثانیے کے لیے اسے طیش بھی آیا لیکن اس نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے خود کو فوراً سنبھال لیا۔ انعام ہم دونوں کا ہے۔“ وہ حواس باختگی سے بولا۔

”ہم کوئی دو تھوڑی ہیں ایک ہیں۔ یک جان دو قالب۔“ وہ دیر تک بوکھلاہٹ میں ماشا کو اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا۔ پھر ماشا کے چہرے پر شریسی سکر اہٹ دیکھ کے وہ جھینپ گیا اور ہنس دیا۔

”میرے غیر قریبی... ہے۔ آتون گھٹی گھٹی آواز میں گویا ہوا۔“ اور ٹکٹ نمبر؟ ماشا کی آواز بھی بدل گئی۔ ٹکٹ نمبر

کیا ہے؟

”وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ آتون نے جواب دینے کی کوشش کی مگر صرف لب ہلا کر رہ گیا جیسے الفاظ ہزٹوں تک آنے کے بجائے حلق کے گڑھے میں اتر رہے ہوں۔ وہ ہجبان کا شکار ہونے لگا۔ اس کے سرخ چہرے نے ماشا کو یقین دلایا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا ہے۔“

”کون سا انعام نکلا ہے؟ دوسرا تیسرا یا...؟“ ماشا نے پتلا کے پوچھا۔ ایک لاکھ روپل والا؟

”آہستہ آہستہ آتون نے ہزٹوں پر انگلی رکھ کے اسے خاموش کیا۔ شور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

ارتباط کے بغیر تاجکے اصرار کرے۔ اعضائے جسمی کو ایک عندل مساوات لازم ہے۔ کچھ چینخوف نے بھی اپنے آپ سے مغائرت کی۔ سماجی سرگرمیوں میں کوئی فرق آیا نہ قلمی شغل میں کوئی کمی ہوئی۔ بزرگ نالشتائے اور نو جوان ادیب اور لیدر مٹکسو گور کی عزیزانِ جہان تھے۔ اُن کے علاوہ اپنے زمانے کے لکھنے والوں سے رسم و رواج بھی جاری تھی۔ سیاسی وجوہ سے روسی اکادمی سے گورگی کے اخراج کے خلاف چینخوف نے اس اکادمی سے ۱۹۰۲ میں استعفا دے دیا۔ ۱۸۸۸ء سے ۱۹۰۳ء تک مختلف جبرائید میں چینخوف نے پچاس سے زائد کہانیاں لکھی تھیں۔ ان کہانیوں نے بعد میں بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی اور بین الاقوامی ادب کوئی چینخوف کو چینخوف کی جتنی کہانیاں بے شک اس کا جزو لازم ہیں۔

لیونالشتائے، چینخوف کے بہت قابل تھے اور نالشتائے کا فرمودہ ہے کہ چینخوف نے نہ کافی فن کار ہے، نہ زندگی کا فن کار۔ اُس کی تخلیقات سارے عالم انسانیت کے لیے ہیں۔ چینخوف کے لیے مشہور ہے کہ اسے مختصر اور مناسب لفظوں میں مدعا بیان کرنے پر قدرت تھی۔ کہتے تھے، وہ زندگی کی سطح سے نیچے جہاں کے حقائق تلاش کرتا تھا، اسے اپنے کزداروں کے خفیہ ارادے فاش کر دینے کا ہنر آتا تھا۔ بعض ناقدین کو شکایت ہے کہ چینخوف کے بیانیہ اور اُس کی کہانیوں میں گہرے پیچیدہ مسائل اور مسئلوں کے سیدھے سادے حل کی کمی ہوئی تھی۔ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں سے وہ کہانی کی بساط بچھاتا تھا اور ایک خاص مزاج اور ماحول کی استواری میں ماحول تھا۔ اس خاص مزاج اور ماحول کو آسیب زدہ یا غنائی کہنا چاہیے۔ ناقدوں کو اعتراض ہے کہ چینخوف نے اپنے وقت کی روسی زندگی بیان کرنے میں دھوکا دینے والی تکنیک استعمال کی ہے اور یوں ادبی شاہ کار کے درجے سے اس کی تحریریں گر جاتی ہیں مگر اُس کے ناقدین اس واقعہ پر متفق تھے کہ ۱۹ویں صدی کے روسی حقیقت نگاروں میں چینخوف کا شمار صرف اول میں ہوتا ہے۔

الگ تہلگ، خاموش طبع، دیکھنے میں ایک بے جذبہ شخص، مگر چینخوف میں عورتیں بڑی کشش محسوس کرتی تھیں۔ اپنے زمانے کی کئی نئی شکل اندام عورتوں سے اُس کی دوستی رہی لیکن سینے سے دماغ کی فصل قائم رہی، لینڈیا نامی ایک خوش جمال، خوش شعار سے کچھ مدت کے لیے راز و نیاز رہے، پھر لیکن نامی دو شیر نے چہرا غجلائے۔ لیکن اسے وابستگی نسبتاً طویل تھی لیکن ساری گرم جوشی لیکن اس کی طرف سے تھی۔ اولگاسن پر سے سادی بھی محبت کا شاخسانہ تھی۔ اولگار نے سادی کے بعد اداکاری ترک نہیں کی، سوئس دونوں کوئی رسم نہ ہاتھ دے۔ موسم سرما میں دونوں مینا بیوی الگ رہتے تھے۔ اولگاسن سے محرومی بھی غالباً دونوں کو ایک دوسرے سے کنارے کنارے کیے رہی۔

چینخوف کے زمانے میں عظیم روسی انقلاب کا خیر تیلر ہو رہا تھا اور چہار سو ایک جنگ و جدل کا منظر تھا، تیرہ سال بعد یہ تاریخ ساز واقعہ رونما ہوا چھاتھاتھا مگر چینخوف کو بڑی بھلائی تھی۔ مسیحہ اپنی مسیحائی نہ کر سکا۔ ۱۲/۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء ۳۲ سال کی عمر میں ایک رات چینخوف کی جسمی شکست ورنیخت اپنے انجام کو پہنچی۔ کائنات ہر آدمی کا انجام ایک جیسا نہ ہوا کرتا۔

”انعام واقعی ہم دونوں کا ہے۔“ ماشا نے اپنا سر آلوں کے کندھے پر ٹکا دیا۔ ”ہم دونیں ایک ہیں۔“

”ماشا! اب ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔“ آلوں جذبات کی رو میں بہتا ہوا دور نکل گیا۔ ”ہم واقعی ایک ہیں اور ہمیشہ ایک ہیں گے۔“ اُس کا ہاتھ خود بخود ماشا کے کندھے پر رینگتا ہوا اُس کے پیلو تک چلا گیا۔ پھر اُس کے ہاتھ اور ہونٹ بیوی کے جسم پر ملکیت اور یگانگت کا ایک نیا عہد تحریر کرنے لگے۔ ماشا نے آنکھیں موند لیں اور نیم خوابیدہ سرگوشیوں میں آلوں کا حق ملکیت تسلیم کرنے لگی۔ ”میں نکھاری ہوں۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ ایک لاکھ روپل بھی تمہارے ہیں۔“

”پچیس ہزار روپل سے ہم ایک عالی شان گھر خریدیں گے۔“ آلوں کو اپنی نا آسودہ خواہشات کا احساس ہونے لگا۔ ”میں

ایک شان دار گھر خریدوں گا اور ایک نئی گاڑی بھی لینا چاہتا ہوں۔ دس ہزار روپل میں دنیا بھر کی سیر کرنے کا متمنی ہوں۔ باقی رقم بینک میں رکھ دیں گے۔ اس طرح ہمیں ہر ماہ معقول سہا

”مجھے تم سے پورا اتفاق ہے۔“ ماشا نے جوش میں کہا۔ ”خود بھی تصور میں ایک لاکھ روپل کے نوٹ گن رہی تھی آلوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ اپنی ایسی چھوٹی چھوٹی خوشیاں خرید رہی تھی جن سے محض پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اب تک محروم تھی۔“ ”واقعی ہمیں ایک اچھے سے گھر کی شدید ضرورت ہے۔“ ”دوسری تجویز سے بھی مجھے اتفاق ہے۔ ایک عمارت سے گھر کیلے ایک گاڑی بھی لازمی ہے۔ پھر دس ہزار روپل سے ہم دنیا بھر کی سیر کریں گے۔ میں خود بھی ایک طویل عرصے سے یورپ اور اٹلی کے

تبنا کو نوشی سے پھیپھڑوں کا سرطان تو ہوتا ہی ہے، نئی تحقیق کے مطابق دھوئیں سے شریانیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور جسم کے کسی بھی حصے پر گینگرین یعنی بے حسی کا حملہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ حصہ کاٹ کر جسم سے الگ کرنا پڑتا ہے۔ شریانیں بند ہونے کا یہ مرض پیشگی آثار و اطلاق کے بغیر لاحق ہو سکتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق ۵۲ سالہ برطانوی باشندہ ایرک بلیکنز نے اس مرض میں اپنی ٹانگ گنوا چکا ہے اور خدشہ ہے کہ وہ اپنے تین اور اعضاء سے بھی محروم ہو جائے گا۔ ایرک مسلسل تیس برس سے تبنا کو نوشی کر رہا ہے۔

پچھاڑ دیں۔ اُس کے جسم پر گدگدی کرتی ہوئی گداز انگلیوں کی جگہ ایک بھتہ سے ہاتھ نے لے لی۔ میں بھی تھکے ساتھ چلوں گی۔ ماشا اُس کے جذبات سے بے خبر خوابیدہ لہجے میں خود کلامی کر رہی تھی۔ ”میں بھی دنیا کی سیاحت کرنا چاہتی ہوں“ ”میں کرنا چاہتی ہوں۔“ ”عیش! ماشا کے اس لفظ پر آلون کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے آسمان کی بلندی سے پتھر ٹلی چٹان پر پٹخ دیا ہو۔

”ماش! تم کون سا عیش کرنا چاہتی ہو؟ عیاشی کا مطلب سمجھتی ہو تم؟“ آلون زبرد بڑبڑایا۔ پھر حیرت زدہ ہو کر وہ ماشا کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کے احصاب تن گئے۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی بیوی کی آنکھیں بھی وہی خواب دیکھ رہی ہیں جو اُس کی اپنی آنکھوں میں بسے ہوئے ہیں۔ ان خوابوں نے اُس میں زندگی کی رُوح پھونک دی تھی مگر یہی خواب ماشا کی آنکھوں میں اُتر کے بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔ آلون کا خون کھول گیا۔ ماشا کی آنکھوں میں خوابوں کے کرداروں کی جنس بدل گئی تھی۔ آلون کے خوابوں کی خوب صوت و شیرازیں خوب رو مردوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ ”تم کس قسم کا عیش کرنا چاہتی ہو؟“ آلون کا دل چاہا کہ وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخے اور بہت زور سے اپنی بیوی کے منہ پر ٹانچہ مارے پھر اُس کی گردن دبوچ کر اُس سے پوچھے کہ بول، تو کس قسم کی عیاشی کرنا چاہتی ہے؟

آلون کے سینے سے ایک چیخ بلند ہوئی مگر لبوں تک آتے آتے مردہ ہو گئی۔ ایک لاکھ روپے کھو جانے کے خوف نے اُس کا اشتعال دبا دیا اور اُس کے اندر سنا ہمارا دیا۔ ماشا اب محض ایک بیوی نہیں تھی، ایک لاکھ روپے کا چیک تھی اور آلون کو ایک لاکھ روپے

بروز شاداب علاقے دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی۔ باقی رقم ہم بینک میں رکھ دیں گے تاکہ مستقل آمدنی ہوتی ہے۔ چند لمحے خاموش رہ کر ماشا نے پھر آنکھوں میں کچھ خواب سجالیے اور خود کلامی کرنے لگی۔ ”ہم دنیا بھر کی سیاحت کریں گے، نیا گرا جائیں گے، روم کی سیر کر لیں گے۔ ہم ساری زندگی عیش کریں گے، صرف عیش۔“ آلون تصور میں پیرس کا سفر کر رہا تھا ایک خوب صوت و شیرازہ، اپنے چپکے پر دل نواز سکراہٹ سجائے اُس کے دہریہ جھکی ہوئی ماتنی کا جام پیش کر رہی تھی۔ آلون کے رگ پلے میں بجلی دوڑنے لگی تھی۔ سنا اُس کی سماعت سے بیوی کے کچھ الفاظ نکلے اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے بحری جہاز ایک دھماکے سے بھٹ کر غرقاب ہو رہا ہو۔ اُس نے چونک کر بیوی کی طرف دیکھا۔ ماشا کے لب ساکت تھے۔ آلون پھر اپنے خیالوں میں اُڑنے لگا۔ اس مرتبہ وہ اپنے خوابوں کے جزیرے میامی پر لنگر انداز ہوا۔ میامی میں ایک رنگین چھتری کے نیچے نیم عریاں دوشیزاؤں کے شباب کی دھوپ سے وہ اپنی حسرتیں سینک رہا تھا۔ وہ ایک بال دار شخص تھا۔ اُسے کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی اور وہ محض تفریح کے لیے میامی آیا تھا۔

وہ تفریح کر رہا تھا، اُس کے سامنے سے ایک کے بعد ایک عینہ لپکتی، بل کھاتی گزر رہی تھی، سب اُس کے ایک اشارے کی منتظر تھیں مگر آلون کے چہرے پر سلسل سنجیدگی طاری تھی۔ وہ ہر لڑکی رد کر رہا تھا۔ آج وہ بے حد محتاط تھا، آج اُس کے پاس اپنی پسند خرمینے کی قوت تھی۔ انسان کے پاس خرمینے کی قوت ہو تو پسند خرمینے کیوں نہ کرے۔ اُس کی پسند بھی اپنے ناز اٹھوا رہی تھی۔ پھر اس سے پیشتر کہ آلون کی نگاہیں کسی دل کش جسم کے گرد لپٹ جاتیں اُس نے ماشا کی آواز سنی، میامی پھر خوابوں کا جزیرہ بن گیا۔ شباب کی آگ سے پتے جوتے کندن جیسے خوب صوت جسموں کی جگہ ایک بے ڈول اور بھدی عورت نے لے لی۔ آلون نے ایک انہستی نگاہ اس غیر متناسب عورت پر ڈالی، عورت ایک لاکھ روپے کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی، ایک لاکھ روپے کے ذکر میں عجیب جادو تھا۔ دوسرے ہی لمحے آلون اٹلی کے ایک عالی شان ہوٹل کے تہا میں پہنچ گیا۔ محض دو کترنوں میں ملبوس اپنا حسن و آتش کرتی ہوئی ایک دوشیزہ محرومی انگلیوں سے آلون کے جسم کی باری نقاشی کا نور کر رہی تھی۔ آلون دہش ہوا جا رہا تھا۔ ایک بیک ایک کرخت مگر مانوس آواز نے اُس کی خواہشیں تمام کے فرش پر

کی طاقت کا پورا پورا اندازہ تھا۔ ماشا پر غصہ ظاہر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک لاکھ روپے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے اور اُس کے سارے خواب چکنا چور ہو جائیں۔ وہ اپنے خوابوں سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا اس لیے غصہ پی گیا۔

اس بار اُس کے خواب سینٹ مارٹن تک محدود رہے۔ وہ ایک وسیع و عریض محل کے تالاب میں پیرا کی کر رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا۔ اُس کے دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی اُس کے قدموں میں شریک تھے۔ آئون کو دو ہی بچوں کی خواہش تھی گویا وہ شہر میں شان دار گھر بھی حاصل کر چکا تھا اور دو بچوں کی خواہش بھی پوری ہو گئی تھی۔ آخر وہ پیرا کی کرتے کرتے قہقہے لگاتے تھک گیا اور تالاب سے نکل آیا۔ ایک عورت اُس کے لیے گرم باغیچہ کافی اور چکن سینڈویچ لیے کھڑی تھی اور سکرا رہی تھی یہ ماشا تھی آئون کو دو چمکا سا بیٹا لیکن اُس کا خواب ٹوٹا نہیں۔ اگلے منظر میں وہ ایک مٹھن اور سرور آدمی کی طرح دیہ کے کنارے ٹل رہا تھا۔ اُس کا اسٹیشن اُس کے آگے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ آئون کا ارادہ تھا کہ کچھ دیر چل قدمی کرے گا پھر اپنے کسی پڑوسی رئیس کے گھر جا کے تاش یا شطرنج کی ایک بازی کھیلے گا اور کچھ گپ شپ کرے گا لیکن ابھی گپ شپ کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک بار پھر ماشا نے اُس کے خواب بکھیر دیے۔ وہ اُسے بھنچوڑتے ہوئے اُس سے مخاطب تھی۔

”کہاں کھو گئے؟“

”کہیں نہیں کہیں بھی تو نہیں۔“

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟“ ماشا نے قد سے ناراضی سے کہا۔ ”تاؤ سب سے پہلے تم مجھے کہاں لے چلو گے؟ میں بھی تمہارے ساتھ فرانس، اٹلی اور ہندوستان دیکھنا چاہتی ہوں۔“ ماشا نے آنکھیں موند لیں۔ آئون نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ اب اُس کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ بیوی کے ساتھ تفریح کرنے کے خیال میں اُس کے لیے کوئی کشش نہیں تھی۔ وہ کوئی دودھ پتا بچہ نہیں تھا ابھی طرح جانتا تھا بیوی کے ساتھ کبھی کوئی تفریح نہیں ہوتی۔ بیوی کی ہم سفری کا خیال ہی اُس کے جسم پر لڑھکا رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے اس خیال سے پیچھا پھرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر وہ چشم تصور سے یہ دیکھنے لگا کہ ماشا ہر سفر میں اُس کے ساتھ ہے، اُس کے پاس سامان سے بھرے جوتے صندوق ہیں اور ڈوکریاں ہیں۔ وہ ایک قلی بن کر ماشا کا سامان ڈھور رہا تھا۔ ماشا بار بار اپنے سرور کا ذکر کر کے سفر

کا اٹل غارت کیے دے رہی تھی۔ آئون ریل میں مسلسل ایکسپریز کو سنبھالے رہا، دوسرا بچہ ماشا کی گود میں رہیں کریں کر رہا تھا۔ جس اسٹیشن پر بھی پھرتی، ماشا اُس کے ہاتھ میں تھرا س پکڑ لیتی۔ ”کسی ٹی اسٹال سے گرم پانی لے آؤ۔ بچے کا دودھ بنائے۔“ وہ ہر میٹ فارم پر ایک پریشاں حال شوہر کی طرح ادھر سے ادھر دوڑ رہا تھا۔ کبھی اُسے ڈبل روٹی کے لیے دوڑایا جا رہا ہے۔ کبھی کھانے کے بندوبست کے لیے ہر سفر کے اختتام پر وہ ماشا کی جیب گفتگو سنتا۔ ”تم نے اُس عورت سے بات کیوں کی تھی؟ اُس کی طرف تم اتنے غور سے کیا دیکھ رہے تھے؟“ اس تصور پر آئون کے سارے دلوں ٹھنڈے پڑ گئے۔

”کاش لاٹری کا ٹکٹ میرا ہوتا۔ آئون نے آہ سی بھری اور اپنی بیوی کو غور سے دیکھنے لگا۔ ماشا اُسے ایک بدصورت اور اجنبی عورت لگی۔ میں تمہارے ساتھ کبھی سفر نہیں کر دوں گا۔“ آئون نے ہی منہ میں بد بلیا۔ تمہارے ساتھ بھلا کیا عیاشی ہو سکتی ہے۔ اپنی بیوی سے کہنا چاہتا تھا۔ عیاشی ہمیشہ تنہا ہوتی ہے اور عیاشی پر صرف مرد کا حق ہے۔ بیوی کو سفر میں ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مرد پر عیاشی کا ہر دروازہ بند ہو گیا۔

ماشا اُس سے مخاطب ہوتی لیکن آئون بہرا بن گیا۔ اس وقت وہ صرف اپنی سرگوشیاں سن رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ اُس کی سرگوشیاں زہر آلود ہوتی گئیں۔

اس عورت کے ساتھ پیرس کے شاہانہ ہوٹل میں قیام کرنا آئون سا اچھا کام ہے۔ میں ہوٹل میں اس بے ڈول سی عورت کا قیدی بن کے رہ جاؤں گا۔ میرے ساتھ تنہا رہنے پر مجھے اسے اعتراض ہو گا۔ مجھے ہر جگہ اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ اس کے ساتھ میں کسی عشرت کدے میں نہیں جاسکتا اور کوئی ہنس کلب نہیں دیکھ سکتا۔ میں کوئی میز نہیں کر سکتا۔ کسی ہوٹل میں اس کا غلام بن کے رہنے سے تو بہتر ہے کہ اسی گھر میں رہ جائے۔ میں اس گھر میں اس کا حکم ران ہوں۔ یہ اس گھر میں مجھ سے یہ سوائس کر سکتی کہ میں کہاں جا رہا ہوں کہاں سے آ رہا ہوں۔ اس گھر میں اس عورت کے ساتھ قید، عزت کی قید تو ہے۔ یہاں میرے دل میں امتیاز کی ایک کرن روشن ہے کہ عیش کی کوئی گھڑی کسی دلیلی آسکتی ہے۔ کوئی بھی حسینہ کسی لمحے میری زندگی میں شامل ہو جائے ہے جس کی میں ماشا کو قانون کا خبر نہیں ہونے دوں گا۔

”کس سوچ میں ہو؟“ ماشا نے پھر اُسے خیالات سے بے

”کہاں کھو گئے؟“

”کیس نہیں؟“ آئون کے چپے پر پھکی سی سکرابٹ پھیل گئی۔ وہ گہری نظروں سے ماشا کا سراپا ٹٹولنے لگا۔ ماشا بھی غمزہ خوب صوت تھی مگر اب آئون کے لیے اُس کے جسم میں وہ جاذبیت نہیں رہی تھی جس کی خاطر وہ اپنی انا بیچ دیتا اور صرف ایک لاکھ روپے کے لیے اپنی آرزوؤں کا سودا کر لیتا۔

یہ عورت مجھے کبھی تنہا نہیں جانے دے گی۔ یہ تو مجھے کیلن تک بھی تنہا نہیں چھوڑے گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی آئون کے دل میں نفرت سی پیدا ہو گئی۔ ایک لاکھ روپے حاصل ہوتے ہی ماشا بدل جانے گی، اپنی رقم آٹے میں رکھے گی، مجھ سے گن گن کے بدلے لے گی۔ مجھے جلانے کے لیے اپنے رشتے داروں پر نوازشیں کرے گی۔ ماشا کے رشتے داروں کے متعلق سوچتے ہی آئون کے ذہن پر پتھوڑے برسے لگے۔ ماشا کے بہن بھائیوں، چچا، پھوپھا، چھوٹی، خالہ اور ماموں کو وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔ اُس نے اُن کے اپنے گھر میں داخل ہونے پر بھی پابندی لگا رکھی تھی بلکہ ایک لاکھ کی لاٹری کا ذکر سنتے ہی وہ سب میرے گھر پر تلنے لگے۔ ماشا کے کئی اقربا کی صوت دیکھنا بھی آئون کو گوارا نہیں تھا۔ وہ ماشا کی ماں سے بھی سخت بے زار تھا لیکن ماشا کے ایک لاکھ روپے کی مالک بن جانے کے بعد وہ اُس کے رشتے داروں اور اُس کی ماں کو اپنے گھر میں گھسنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ وہ میرے خدا! آئون کو اپنا سر پھٹا محسوس ہوا، اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود آئون یہ دیکھ رہا تھا کہ ماشا کے سب رشتے داروں نے اُس کے گھر پر ہلا بول دیا ہے اور وہ منافقت سے مسکرا رہا ہے اور اُن کی بے ہودہ باتوں پر ہنس رہا ہے اور اُن کی آؤ بھگت کر رہا ہے اور جن لوگوں سے اُسے گھن آتی تھی، اُنھی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا ہے۔ یہ بہت بُری صوت حال تھی۔ آئون ماشا کے رشتے داروں کے سامنے جھکنے سے مرعوبانہ تر بھٹتا تھا۔ ماشا کے عزیزوں نے آئون کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا مگر ماشا تھی کہ اُنھی کے گن گاتی تھی۔ اس پر اکثر میاں بیوی میں تلخ کلامی بھی ہوتی تھی اور اختتام ہمیشہ ماشا کی بار اور آئون کی جیت پر ہوتا تھا۔

لیکن ایک لاکھ روپے کی مالک بن جانے کے بعد ماشا کے خاموش رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ نہ صرف خود شیرنی ہو جاتے گی بلکہ اُسے بھی اپنے یکے والوں کی مدح سرائی پر مجبور کر دے

گی۔ آئون پر ایک ایسی عذاب مسلط ہو جائے گا کہ سرسری دشت داروں کا عذاب نہیں، نہیں، آئون تھرا گیا۔ محض ایک لاکھ روپے کے لیے میں اپنی پوری زندگی تباہ نہیں کروں گا۔ اپنی ملازمت نہیں کروں گا اور اپنے گھر کا سکون برباد نہیں کروں گا۔ اس فیصلے سے آئون کو ایک عجیب سکون ملا۔ بے اختیار اُس کے ہتھوڑ پر ایک تھمک پھیل آیا۔

”کیوں نہیں رہے ہو؟“ ماشا کے لبوں پر بھی سکرابٹ کھینچنے لگی۔ ”تمہاری معصومیت اور سادگی پر نہیں رہا ہوں؟“ آئون نے ماشا کو بازوؤں میں بھر لیا۔

کچھ توقف کے بعد آئون بخیدگی سے بولا: ”ماشا، مگر کرنا تمہارا کوئی انعام وغیرہ نہیں نکلا۔ میں محض مذاق کر رہا تھا۔ انعام پانچ سو روپے کا نہ بھرتیس نہیں چھیا بیس ہے۔“ یہ جملہ وہ اپنے ہی آئون کو گویا ایک بھاری بوجھ سے نجات مل گئی، وہ خود کو ملکا پھیکا محسوس کرنے لگا۔

ماشاکے چپے پر پابوسی پھیل گئی۔ ”تم نے ایسا مذاق کیا کیا؟“ ماشا کچھ دیر اُس سے روٹھی رہی۔ ”اگر مجھے خوشی سے تنہا ہو جاتا تو؟“ ”نہیں سر جاتی تو؟“

”ہا۔۔۔۔۔ ہا!“ آئون دل کھول کے ہنسا پھر اپنی روٹھی بیوی کو منانے لگا۔ ماشا جلد ہی سن گئی اور کچھ دیر بعد گہری بے خواب سی نیند میں چلی گئی۔

آئون کو کبھی نیند آرہی تھی مگر اُس کے ذہن پر اب کوئی فکر سوار نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس کی معصوم بیوی کو زندگی بھر سے اُسے مجازی خدا کا درجہ دے ہوئے اُس کی اطاعت کی زندگی بسر کر رہی ہے اور اُس کے ہر جھوٹے سچے آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کی عادی ہے ماشا کبھی قصور نہیں کرے گی کہ آج آئون نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا ہے اُس نے اخبار پڑنے پڑنے کے کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا۔ آئون کا خیال درست نکلا۔ صبح ماشا کو نہ لاٹری ملا۔ نہ انعام کا خیال آیا۔ آئون کو ناشتہ کرا کے وہ اُسے رخصت کر کے لیے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ وہ اُس وقت تک سکرابٹ اور میاں کو ہاتھ ہلا ہلا کے اوداع کستی رہی جب تک وہ اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔